حکیم محمد سعیدؒ کی یاد میں

خورشید احمد

۱۷؍اکتوبر ۹۸ کی صبح بھی کیسی خون آشام تھی۔ میں ناشتہ سے فارغ ہو کر اخبار کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور عزیزم عبدالغفار عزیز نے یہ دل ہلا دینے والی اطلاع دی کہ حکیم سعید کو آج صبح کراچی میں شہید کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ معاً میری زبان سے نکلا--- حکیم صاحب تو کامیاب رہے! انھوں نے پوری زندگی بیماری' جہالت اور ناانصافی کے خلاف جہاد کیا اور آخرکار شہادت کا رتبہ پایا' محروم اور ناکام تو وہ قوم ہے جس نے اپنے ایسے محسن کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔

جن سے مل کر زندگی سے عشق ہو جائے وہ لوگ
آپ نے شاید نہ دیکھے ہوں' مگر ایسے بھی تھے

حکیم صاحب سے میری پہلی ملاقات ان کے رفیق کار اور میرے تحریکی رہنما اور بھائی حکیم اقبال حسین صاحب کے توسط سے ۱۹۵۳ میں ہوئی جب میں اسٹوڈنٹس وائس نکال رہا تھا اور وہ آرام باغ روڈ پر ہمدرد مطب کے روح رواں تھے۔ اس پہلی ملاقات ہی میں حکیم صاحب کی شرافت' سادگی' طلبا میں دلچسپی' جمعیت کے لیے کلمہ خیر اور انسانوں کے لیے ہمدردی کا نقش دل پر قائم ہوا۔ نیز بولنے میں ہلکی سی لکنت کا لطف بھی لیا۔ اس اولیں ملاقات کے بعد وقتاً فوقتاً ملاقاتیں ہوتی رہیں لیکن بس واجبی سی۔ البتہ ۱۹۷۰ اور ۱۹۸۰ کے عشروں میں یورپ اور مشرق وسطیٰ میں بین الاقوامی کانفرنسوں میں ملاقاتوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب مجھے حکیم صاحب کے قریب آنے اور ان کے قلب و ذہن میں جھانکنے کا موقع ملا۔ پیرس میں یونیسکو کی کانفرنسوں میں ہم ساتھ رہے اور جس محبت اور شفقت سے حکیم صاحب نے میری ٹوٹی پھوٹی خدمات کو سراہا وہ ناقابل فراموش ہے۔

یہی وہ زمانہ ہے جب ہمارے درمیان دوستی کا دور شروع ہوا۔ حکیم سعید صاحب کی نگارشات سے تو میں واقف تھا لیکن اس زمانے میں ان کے جسد ظاہری میں جو انسان آباد تھا اسے دیکھنے اور پرکھنے کا موقع ملا۔

ان کے معمولات سے آگہی ہوئی اور اس پر رشک بھی آیا۔ تہجد کے وقت اٹھنا ان کا معمول تھا۔ تلاوت اور نوافل کے بعد کچھ تحریر و تسوید اور خط و کتابت جو نماز فجر تک جاری رہتی۔ فجر کے بعد معمولی سی ورزش یا کھیل (ٹینس کے شوقین تھے اگر موقع میسر آ جائے تو)۔ اس کے بعد کام اور مسلسل کام۔ رات کو جلد سونے کی مسلمان اہل علم و تقویٰ کی روایت پر بھی قائم رہے۔ وہ جنرل ضیا الحق کے مشیر صحت بنے اور طب مشرق کو ملک اور ملک کے باہر اس کا صحیح مقام دلانے کی جدوجہد میں دن رات مصروف رہے۔ انسانوں کی خدمت اور مطب کی مشقت کا سلسلہ کسی زمانے میں بھی نہ چھوڑا۔ قلم و قرطاس کی خدمت بھی ان کی زندگی کا جزو لاینفک تھی۔ شاید ہی کوئی دن تصنیف و تالیف کی سعادت سے محرومی کا دن ہو۔ سفر ہو یا حضر' یہ ان کا معمول تھا۔ حکومت سے ان کا تعلق مقصد کی لگن کے تابع تھا اور جب دیکھا کہ اب گاڑی آگے نہیں بڑھ رہی ہے تو عزت سے مستعفی ہو گئے۔ ۱۹۹۳ میں چند ماہ کے لیے سندھ کے گورنر بنے لیکن اس زمانے میں بھی ان کی اصل دلچسپی تعلیم کا فروغ تھا۔ تین ماہ میں چھ جامعات کی داغ بیل ڈالی۔ ہمدرد یونی ورسٹی اور بیت الحکمت کے معاملات تو پہلے ہی طے کرا چکے تھے۔ زندگی کے آخری بیس سال طب کے فروغ کے ساتھ ساتھ تعلیم کی شمعیں روشن کرنے کے لیے وقف کیے اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو اس عالم میں کہ ع

ہر ایک گل کے ہاتھ میں اک جام دے گیا

حکیم محمد سعید مرحوم کی خدمات کا شمار مشکل ہے۔ ہمدرد کے مطب سے آغاز کر کے ہمدرد انڈسٹری کو بام عروج تک پہنچایا' طب مشرق کو نئی زندگی دی اور بیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ ۱۹۵۳ میں بچوں کے لیے رسالہ ہمدرد نونہال نکالا جس کی خدمات اب نصف صدی پر محیط ہیں۔ بچوں کی دینی' اخلاقی اور تہذیبی تعلیم و تربیت کے لیے نونہال ادب کا سلسلہ شروع کیا اور ۳۸ سفرنامے بچوں کے لیے خود لکھے جن سے ان کو ساری دنیا کی سیر کرائی اور ملک ملک کی ثقافت سے روشناس ہونے کا موقع دیا۔ "شام ہمدرد" کا ادارہ قائم کیا جو اہل دانش کے لیے قومی اور ملی موضوعات پر تبادلہ خیال کا ایک اعلیٰ فورم بن گیا اور آخرکار ہمدرد شوریٰ پر منتج ہوا۔ مجھے بھی شام ہمدرد میں کئی بار اظہار خیال کا موقع ملا اور ہمدرد شوریٰ میں بھی حکیم صاحب نے شریک کیا۔

سیرت پاکؐ' قرآنی تعلیمات' مسلمانوں کی تاریخی خدمات اور طب اور سائنس کے میدان میں مسلمانوں کی خدمات حکیم صاحب کے خاص موضوع تھے۔ اکیسویں صدی کے چیلنج اور اسلام کے دعوتی امکانات پر بھی خوب قلم اٹھایا اور دوسروں کو تحریر و تقریر کے مواقع فراہم کیے۔ البیرونی' ابن سینا اور دوسرے مسلمان سائنس دانوں پر عالمی کانفرنسوں کا انعقاد کیا۔ عرب دنیا اور خود مغربی ممالک میں طب مشرق کو روشناس کرایا اور ایک احترام کا مقام دلوانے میں کامیاب ہوئے۔ یونیسکو میں پاکستان اور اردو کے لیے اتنا کام کیا جو غالباً

سارے مسلمان ملکوں کے سفرا کے کام پر بھاری تھا۔ جس کام کا بیڑا اٹھایا اس کے لیے وقت، مال، جان سب کچھ کھپا دیا۔

بیت الحکمت کا قیام ان کی سب سے بڑی آرزو بن گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے تعلیمی اداروں کا ایک حسین جال بچھا دیا جو کراچی سے اسلام آباد تک پھیلا ہوا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ان کی بار بار کی دعوت کے باوجود میں ان کی زندگی میں بیت الحکمت نہ جا سکا۔ کہتے تھے: تم آؤ اور دیکھو، میں نے احباب سعید میں تمھارا فوٹو بھی لگا رکھا ہے۔ حکیم صاحب پیار سے ایسے معصوم انداز میں بات کیا کرتے تھے جو نظر سے دل تک اتر جاتی تھی۔

ہماری آخری ملاقات ۲؍اکتوبر ۹۸ کو لاہور میں ہوئی جہاں انھوں نے انسٹی ٹیوٹ آف لیڈر شپ اینڈ مینجمنٹ (آئی ایل ایم) کے دوسرے جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت فرمائی اور طلبا کو ڈگریاں عطا کیں۔ مجھے اس ادارے کا صدر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ میری ہی دعوت پر حکیم صاحب اس کے بورڈ آف گورنرز کے رکن بنے اور میری عدم موجودگی میں صدارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ انھی کی تحریک پر اس ادارے کا ہمدرد یونی ورسٹی سے الحاق کیا گیا اور اس طرح ہمارا رشتہ اور بھی مستحکم ہوا۔ اپنے خطبہ صدارت میں انھوں نے تعلیم و تربیت کی اہمیت کے ساتھ ساتھ پاکستان کے ان طبقات پر سخت تنقید کی جو ملک کو لوٹ رہے ہیں اور مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کو برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

حکیم صاحب کراچی کے حالات کے بارے میں بڑے دل گرفتہ تھے۔ بڑے دکھ سے فرمایا: مجھے بھی برابر کئی سال سے دھمکیاں مل رہی ہیں، لیکن میں ڈرنے والا نہیں۔ مجھے اللہ پر بھروسا ہے اور جس مقصد کے لیے جہاد شروع کیا ہے اسے جاری رکھوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ وقت آئے گا جب اس ملک کے عوام اپنا خون چوسنے والوں سے حساب لیں گے۔ بڑے عزم سے فرمایا: "ہم ان کو بھاگنے بھی نہیں دیں گے!"

وہ بڑی سادہ زندگی گزارتے تھے۔ کبھی کسی کو دکھ نہیں پہنچایا۔ کسی سے انتقام نہیں لیا۔ کسی سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کو فائدہ پہنچایا اور جو کچھ کمایا اسے خدمت خلق اور خدمت دین کے لیے وقف کر دیا۔ انھیں پاکستان اور امت مسلمہ سے حقیقی عشق تھا اور انسانوں کی خدمت ان کا مشن تھا۔ وقت کی پابندی اور وقت کا صحیح استعمال کوئی ان سے سیکھے۔ اس معاملے میں، میں نے انھیں اور مولانا مودودیؒ کو بڑا حساس پایا اور یہی ان کی اعلیٰ کارکردگی کا راز ہے۔

حکیم صاحب ہر علاقائی اور لسانی تعصب سے پاک تھے۔ وہ سچے پاکستانی اور سچے مسلمان تھے اور اسی کو اپنی شناخت تصور کرتے تھے۔ ان کی شہادت پاکستان اور امت مسلمہ کے لیے بڑا نقصان اور لاکھوں انسانوں کے لیے ایک ذاتی صدمہ ہے۔ وہ کیسے شقی القلب تھے جنھوں نے ایسے پیارے انسان کو گولیوں کا نشانہ بنایا

اور بنوایا--- شاید حکیم سعید جیسے سعید انسان کی قربانی سے کراچی اس ظلم اور طغیان سے نجات پانے کی راہ پر گامزن ہو جائے جس کی تاریکیوں میں روشنیوں کا یہ شہر ڈوبا ہوا ہے اور معصوم انسان روز لقمہ اجل بن رہے ہیں۔ وہ جو تحریک پاکستان کا ہراول دستہ تھے آج انھی کی اولاد میں سے کچھ عناصر پاکستان کو عصبیتوں کی تلوار سے پارہ پارہ کرنے میں مشغول ہیں۔ اگر حکیم سعید کا خون سوئے ہوئے ضمیروں کو بیدار کر دے، آنکھوں پر سے عصبیت کے پردوں کو چاک کر دے اور کراچی کے غیور شہریوں کو ظالموں کو پہچاننے اور ان سے نجات پانے اور مظلوموں کی داد رسی کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کی توفیق اور ہمت دلا سکے تو حکیم سعید جتنا زندگی میں کامیاب رہے، اس سے زیادہ کامیاب اپنی شہادت کے بعد رہیں گے۔